Kashf Journal of Multidisciplinary Research
Vol: 02 - Issue 10 (2025)
P-ISSN: 3007-1992 E-ISSN: 3007-200X
https://kjmr.com.pk

سفر نامہ "سیاحت ہند" میں نوآبادیاتی نظام کے نقوش: تنقیدی مطالعہ

COLONIAL IMPRINTS IN TRAVELOGUE "SIAHAT E HIND": A CRITICAL STUDY

Nazish Safdar*
Scholar Ph.D. Urdu. FJWU, Rawalpindi.

Dr. Farhat Jabeen Virk
Chairperson Dept. Of Urdu. FJWU, Rawalpindi.

***Corresponding Author:** nazishsafder30@gmail.com

DOI: https://doi.org/10.71146/kjmr639

Article Info

This article is an open access article distributed under the terms and conditions of the Creative Commons Attribution (CC BY) license https://creativecommons.org/licenses/by/4.0

Abstract

In the history of the Indian subcontinent, the British colonial period was not only an era of political and military dominance but also had profound and multifaceted effects on Indian society, economy, and culture. British policies altered the local social structure, promoted class divisions, and, through economic exploitation, led to the decline of Indian industries and handicrafts. In this context, Hafiz Abdul Rahman Amritsari (1908–1990)'s travelogue "Siahat e Hind" stands out as a significant scholarly source, reflecting the colonial impacts on Indian society comprehensively. In his observations, Hafiz Abdul Rahman highlights the social and class distinctions inherent in the railway system, the religious and communal divisions, and the influence of English language and education. This paper presents a focused study of his travelogue within this analytical framework to elucidate the social, cultural, and economic dimensions of British colonial rule in the subcontinent.

Keywords:

Subcontinent, British Colonial Period, Hafiz Abdul Rahman Amritsari, "Siahat e Hind", Railway System.

ملخص:

برصغیر کی تاریخ میں برطانوی سامراج کا دور نہ صرف سیاسی و عسکری غلبے کا زمانہ تھا بلکہ اس نے ہندوستانی معاشرت، معیشت اور ثقافت پر بھی ہمہ جہت اثرات مرتب کیے۔ برطانوی پالیسیوں نے مقامی سماج کی ساخت کو بدل ڈالا، طبقاتی تفریق کو ہوا دی اور معاشی استحصال کے ذریعے ہندوستانی صنعت و حرفت کو زوال سے دوچار کیا۔ اس ضمن میں حافظ عبدالرحمن امرتسری (1908-1990) کا سفرنامہ **"سیاحت ہند"** ایک اہم ماخذ کی حیثیت رکھتا ہے جو ہندوستانی سماج میں نوآبادیاتی اثرات کی عکاسی کرتا ہے۔ حافظ عبدالرحمن اپنے مشاہدات میں ریلوے نظام میں موجود سماجی وطبقاتی امتیازات، مذہبی وفرقہ وارانہ تقسیم اور انگریزی زبان و تعلیم کے فروغ کے اثرات کو نمایاں کرتے ہیں۔ مقالہ ہذا میں ان کے سفرنامے کا خصوصی مطالعہ متذکرہ تناظر میں پیش ہے۔

کلیدی الفاظ: برصغیر، برطانوی سامتاجی دور، حافظ عبدالرحمٰن امرتسری، سیاحت ہند، ریلوے نظام ۔۔۔

حافظ عبدالرحمن امرتسری 1908ء میں ضلع امرتسر کے ایک مضافاتی گاؤں میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم اپنے آبائی علاقے سے حاصل کی اور بعدازاں اسلامیہ کالج سے بی اے کی ڈگری مکمل کی۔ قیام پاکستان کے بعد وہ ہجرت کر کے عارف والا میں آباد ہوئے اور تاحیات تدریس کے شعبے سے وابستہ رہے۔ انہیں یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے موجودہ دارالحکومت "اسلام آباد" کا نام تجویز کیا جسے 4 فروری 1960ء کو سرکاری طور پر منظور کر لیا گیا۔ حافظ عبدالرحمن ایک کہنہ مشق شاعر بھی تھے جنہوں نے ملی اور مذہبی شاعری میں نمایاں مقام پایا۔ ان کا نعتیہ مجموعہ "ہوائے طیبہ" 1981ء میں منظر عام پر آیا۔ سفرنامہ نگاری کے ساتھ ساتھ انہوں نے سوانح نگاری اور صرف ونحو کے موضوعات پر بھی متعدد کتب تحریر کیں، جن میں المرتضیٰ، کتاب الصرف، کتاب النحو، عربی بول چال، سیاحتِ ہند اور سفرنامہ بلادِ اسلامیہ شامل ہیں۔ 25 اپریل 1990ء کو ان کا انتقال ہوا اور وہ عارف والا میں سپرد خاک کیے گئے۔

سفرنامہ "سیاحت ہند" حافظ عبدالرحمن امرتسری کی سات سالہ سیاحت پر مبنی دستاویز ہے جس میں انہوں نے ہندوستان کے مختلف صوبوں اور شہروں کے مشاہدات و تجربات کو قلمبند کیا ہے۔ ان کی سیاحتی زندگی مارچ 1898ء میں شروع ہوئی اور اس دوران انہوں نے متعدد غیر ملکی سفر بھی کیے جن میں عراق، عرب، الجزائر، شام، استنبول، بیت المقدس، مصر، تونس، مراکش، اندلس، انگلستان اور فرانس کے اسفار شامل ہیں۔ ان کے اسفار کا ایک بڑا حصہ تقریباً سات سال پر محیط ہندوستانی سیاحت پر مشتمل ہے۔ ان سفرناموں کے پس منظر میں ریلوے بورڈ کے صدر سرالیف۔ ریکاٹ کا کردار نہایت اہم ہے جنہوں نے ریلوے سفر کے دوران مسافروں کو فراہم کردہ سہولیات کا جائزہ لینے کی غرض سے حافظ عبدالرحمن کو ایک خادم کے ہمراہ مستقل طور پر دوسرے درجے کا ٹکٹ فراہم کیا۔ اس سہولت کے باعث وہ کسی بھی مقام تک باآسانی ریلوے کے ذریعے سفر کر سکتے تھے۔ اپنے تمام اسفار کو انہوں نے دو حصوں میں تقسیم کیا؛ پہلا حصہ "سیاحت ہند" جبکہ دوسرا حصہ "بلادِ اسلامیہ ویورپ" پر مشتمل ہے۔

حافظ عبدالرحمن امرتسری نے برطانوی دور میں بدلتے ہوئے تمدنی و ثقافتی منظرنامے پر گہری نگاہ ڈالی۔ وہ اس حقیقت کی نشاندہی کرتے ہیں کہ انگریزی تعلیم کے فروغ نے مقامی تہذیب و تمدن پر نمایاں اثرات مرتب کیے۔ جب برطانوی حکام، فوجی اور تاجر ہندوستان آئے تو انہوں نے مغربی طرز کے ملبوسات کو رواج دیا۔ سوٹ، پینٹ اور شرٹ جیسے ملبوسات آہستہ آہستہ مقامی سماج پر اثرانداز ہوئے اور یوں روایتی لباس میں تبدیلیاں رونما ہونے لگیں۔ اگرچہ ساڑی، کرتا اور دھوتی بدستور مقبول رہے لیکن ان کے استعمال کے انداز میں مغربی اثرات در آئے۔ مثال کے طور پر دھوتی اور کرتا کو اب باضابطہ مواقع پر جیکٹ یا بلیزر کے ساتھ پہنا جانے لگا۔ اسی طرح "نہرو جیکٹ" مغربی طرز سے متاثر ہو کر مقامی ذوق کے مطابق ڈھالی گئی اور عوام میں مقبول ہوئی۔ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

> "انگریزی تعلیم کی کثرت نے یہاں کے تعلیم یافتوں کے تمدن پر خاص اثر کیا ہے۔ ایسے لوگ زیادہ تر انگریزی لباس اور انگریزی طریق کی ماندو بود کو بہت پسند کرتے ہیں" (1)

سفرنامہ **"سیاحت ہند"** میں حافظ عبدالرحمٰن امرتسری نے اپنے مشاہدات قلمبند کرتے ہوئے ریلوے سفر کے دوران سماجی تفاوت اور برطانوی دور کے تعصبات کو نمایاں کیا ہے۔ ان کے مطابق برطانوی دورِ حکومت میں ریلوے کا نظام اگرچہ آمد ورفت میں آسانی کا باعث بنا، لیکن اس نے معاشرتی تقسیم کو مزید گہرا کیا۔ ٹرانسپورٹ کی یہ سہولت ایک طرف روابط میں اضافہ کرتی

تھی تو دوسری جانب طبقاتی امتیاز اور نسلی تعصب کو اور بھی نمایاں کرتی تھی۔ یوں یہ نظام نہ صرف سماجی و معاشی فرق کو اجاگر کرتا رہا بلکہ عوام میں احساسِ محرومی کو بھی فروغ دیتا رہا۔ اس موقع پر مصنف لکھتے ہیں:

"اس عام انتظام کے ساتھ مختلف درجہ کے مسافروں کا جو سماں سٹیشن اور گاڑیوں میں نظر آتا ہے۔ اس کے دو اس قدر مختلف نظارے ہیں کہ اگر نسبتہ ایک کو بہشت سے اور دوسرے کو جہنم سے تشبیہ دی جائے تو کچھ ناموزوں نا ہو گا (2)"

برطانوی حکمرانوں کا عمومی تاثر یہ تھا کہ ہندوستانی رعایا ان کی سلطنت کے لیے کی جانے والی خدمات کو تسلیم کرنے کے بجائے ناشکری اور احسان فراموشی کا مظاہرہ کرتی ہے۔ دوسری طرف ہندوستانی عوام انگریزوں کے استحصالی نظام، انسانی اقدار کی پامالی اور غیر منصفانہ پالیسیوں سے شدید نالاں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ انہیں ہر سطح پر تعصب اور ناانصافی کا سامنا کرنا پڑتا۔ ریلوے میں مختلف طبقاتی درجوں کا تعارف بھی اسی تعصبانہ سوچ کا عکاس تھا، جس کے تحت اعلیٰ طبقے کے مسافروں کو آرام دہ اور صاف ستھری بوگیاں مہیا کی جاتیں جبکہ نچلے طبقے کے لوگوں کے حصے میں تنگ، غیر آرام دہ اور اکثر گندے ڈبے آتے۔ اس طرح سماجی اور معاشی تفریق کو مزید گہرا کیا گیا۔ عام طور پر محنت کش اور مقامی عوام کو نہایت کٹھن حالات میں سفر کرنا پڑتا، جب کہ سہولتیں انگریزوں یا ان کے منظورِ نظر افراد کے لیے مخصوص رہتیں۔ اس طبقاتی تقسیم کے ساتھ ساتھ مذہبی بنیادوں پر امتیاز بھی روا رکھا جاتا اور بالخصوص مسلمان مسافروں کو جان بوجھ کر مشکلات میں ڈالا جاتا۔ اس حوالے سے حافظ عبدالرحمن امرتسری "سیاحت ہند" میں تحریر کرتے ہیں:

"ہر اسٹیشن پر اگرچہ ہندو اور مسلمانوں کے واسطے علاحدہ علاحدہ پانی پلانیوالے بہشتی مقرر ہیں۔ مگر مسلمان مسافروں کو اکثر پانی نہیں ملتا۔ اس تکلیف کا سب سے زیادہ اثر ان لوگوں پر ہوتا جن کے ننھے ننھے بچے گرمی کے دنوں میں پیاس کی شدت سے بلبلاتے اور اپنی ماؤں کو گھبراہٹ میں ڈالتے ہیں"(3)

ہندوستان میں مذہبی تفریق کے ساتھ ساتھ فرقہ وارانہ تقسیم بھی نمایاں تھی۔ یہ تقسیم در تقسیم کی کیفیت بالخصوص مسلمانوں کے لیے مزید تنزلی اور پسماندگی کا باعث بن رہی تھی۔ سماجی ناہمواریوں اور ان کے منفی اثرات کے علاوہ فرقہ وارانہ اختلافات نے مسلمانوں کو غیر مسلم اقتدار کے زیر اثر کر دیا تھا۔ حافظ عبدالرحمن امرتسری نے اس صورتحال کا مشاہدہ گجرات کے سفر کے دوران کیا اور اپنے سفر نامہ "سیاحت ہند" میں اس کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

"سب سے افسوس ناک حالت یہاں کے مسلمانوں خصوصا پیرزادوں کی ہے۔ ان میں باہمی حسد اور نفاق اس قدر ترقی پر ہے کہ انجمن اسلامیہ کے سکرٹری کے عہدے پر ایلک ہندو کی تقرری روری سمجھی گئی۔ مسلمانوں کی دینداری کا مزید اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ چند مسجدیں میولیوں نے فروخت کر دی ہیں۔ اور بعض مسجدیں قبرستان سمیت چوہڑوں کو ٹھیکے پر دے رکھی ہیں جس میں وہ چونے وغیرہ کا کام کرتے ہیں۔ ایک مسجد جو دریائے سابرمتی کے کنارے پتھر کی بنی اور آثار قدیمہ کا بہترین نمونہ ہے۔ پیر فرید میاں فارقی نے چالیس روپے ماہوار پر ایک انگریز انجینر کو کرائے پر دے رکھی ہے۔ پرانا قبرستان کو اس کے متصل ہے وہاں اس انگریز کا اصطبل بنا ہوا ہے۔"(4)

مسلمانوں کے زوال کی ایک نمایاں وجہ اندرونی فرقہ وارانہ برتری بھی تھی، جسے انگریزوں نے اپنی مشہور پالیسی "تقسیم اور حکمرانی" کے تحت مزید ہوا دی۔ برطانوی حکمرانوں نے موجودہ مذہبی اور کمیونل اختلافات کو ابھار کر ایک متحدہ قومی مزاحمت کو کچلنے کی کوشش کی۔ اس مقصد کے لیے 1909ء کے انڈین کونسلز ایکٹ اور بعد کی قانون سازی کے ذریعے مسلمانوں کے لیے علیحدہ انتخابی نظام رائج کیا گیا، جس سے مذہبی تقسیم کو ادارہ جاتی شکل مل گئی اور فرقہ وارانہ خلیج مزید گہری ہو گئی۔ اسی دور میں انگریزی زبان کا فروغ بھی برطانوی حکمتِ عملی کا ایک اہم حصہ تھا۔ حکمران طبقے کے نزدیک انگریزی زبان نہ صرف انتظامی اور سیاسی ضرورت تھی بلکہ اس کے ذریعے اقتصادی و ثقافتی مقاصد کو بھی حاصل کیا جا سکتا تھا۔ اسی بنا پر انگریزی میڈیم اسکول اور کالج

قائم کیے گئے جنھوں نے مغربی تعلیم اور انگریزی زبان کے فروغ میں کلیدی کردار ادا کیا۔ان اداروں نے جدید علوم اور فنی مہارتوں کی تعلیم کا پلیٹ فارم فراہم کیا، جس نے باشعور طبقے کو اس کے اثرات پر غور و فکر پر مجبور کیا۔بنگال کے سفر کے دوران حافظ عبدالرحمٰن امرتسری نے اس صورتحال کا مشاہدہ کیا اور اپنی تصنیف "سیاحت ہند" میں اس کا ذکر یوں کیا ہے:

"انگریزی زبان اور انگریزی علوم کی ترقی کے واسطے بارہ آرٹس کالج اس صوبے میں ہیں جن میں دو ڈھاکہ میں ایک ایک راج شاہی۔ باریسال۔ چٹاگانگ اور سہلٹ وغیرہ مقامات میں جاری ہیں بنگالیوں نے اعلےٰ تعلیم سے خوب فائدہ اٹھایا۔ مگر مسلمان اپنے ہم وطنوں سے بہت پیچھے ہیں۔ گورنمنٹ بنگال نے یہ حال دیکھ کر 1873 میں محسن فنڈ (ہوگلی) سے تیس ہزار روپے سالانہ خاص مسلمانوں کی تعلیم کے واسطے منظور فرمائے اور اس سے ڈھاکہ ، چٹاگانگ اور راج شاہی میں تین مدرسے قائم کئے جن میں علوم مشرقی اور مغربی کے دو جداگانہ صیغے مثل کلکتہ مدرسہ کے ہیں" (5)

برطانوی حکمرانوں نے ہندوستان میں تعلیم کے ذریعے انگریزی زبان کو فروغ دیا تاکہ وہ اپنے انتظامی، سیاسی، معاشی، تہذیبی اور سماجی مقاصد کو بہتر انداز میں حاصل کر سکیں۔انگریزی زبان کے نفوذ نے نہ صرف تعلیمی اداروں کے ڈھانچے کو بدل ڈالا بلکہ ہندوستانی سماج اور ثقافت پر بھی گہرے اثرات مرتب کیے۔اسی کے نتیجے میں برطانوی اقتدار مزید مستحکم ہوا اور ایک نئے تعلیمی و سماجی ڈھانچے کی بنیاد رکھی گئی۔ برطانوی استعمار نے ہندوستانی مسلمانوں کی معیشت پر بھی گہرے منفی اثرات ڈالے۔چونکہ مسلمانوں کا بنیادی انحصار زراعت پر تھا، اس لیے جب زمین کو نقدی فصلوں (جیسے کپاس، افیون اور نیل) کی کاشت کے لیے مخصوص کیا گیا تو خوراکی اجناس کی کمی نے قحط سالی کو جنم دیا۔دوسری طرف بھاری محصولات اور زرعی پالیسیوں میں تبدیلی نے کسانوں کو شدید معاشی دباؤ میں مبتلا کر دیا۔ پنجاب، جو ہمیشہ زرعی اعتبار سے خوشحال خطہ رہا تھا اور جہاں گندم، کپاس اور سرسوں کی اتنی پیداوار ہوتی تھی کہ پورے ہندوستان کی غذائی ضروریات پوری کی جا سکیں، نہری نظام سے تو فائدہ اٹھا سکا، مگر برطانوی حکومت کی ناقص حکمتِ عملی نے اس خطے کو بھی قحط کے خطرات سے دوچار کر دیا۔اسی پس منظر میں حافظ عبدالرحمٰن امرتسری اپنی کتاب "سیاحت ہند" میں لکھتے ہیں:

"دریاؤں کی کثرت سے یوں تو یہ ملک پہلے بھی سرسبز تھا۔ مگر اب گورنمنٹ انگریزی کی توجہ سے مغربی نہر جمن، ستلج کی نہریں۔ باری دوآب کی نہر اور جہلم کی نہر تیار ہونے سے کئی لاکھ ایکٹر افتادہ اراضی کت مزروعہ بن جانے سے صوبہ کی پیداوار میں بہت ترقی ہوگئی ہے۔نہری اضلاع میں گیہوں۔ رویہ اور سرسوں بہتات سے ہوتی ہے۔ خصوصاً گیہوں اس کثرت سے ہوتا ہے کہ ہندوستان کے علاوہ ہزاروں من ہر سال یورپ و امریکہ کو جاتا ہے۔ اگرچہ زراعت کی اس کثرت سے ملک کی مالی حلت میں ایک تغیر عظیم پیدا ہو گیا ہے مگر غلہ کی نکاسی سے ملک میں آئے دن گرانی اور قحط کے آثار نمودار رہتے ہیں" (6)

سامراجی دور میں برطانوی حکمتِ عملی نے ہندوستانی بازاروں پر گہرے اثرات مرتب کیے۔انگریز حکومت نے ہمیشہ اپنی تیار کردہ مصنوعات کی درآمد کو ترجیح دی، جس کے نتیجے میں مقامی صنعت اور تجارت سخت متاثر ہوئی۔ بڑے پیمانے پر اور کم لاگت پر تیار کی جانے والی برطانوی اشیاء نے ہندوستانی صنعتکاروں اور دستکاروں کے لیے شدید مشکلات کھڑی کر دیں۔ مقامی مصنوعات، خصوصاً کپڑا بافی، دھات سازی اور دستکاری کے دیگر شعبے آہستہ آہستہ کمزور ہو کر زوال پذیر ہو گئے، کیونکہ وہ نہ قیمت کے لحاظ سے اور نہ ہی پیداوار کے حجم کے اعتبار سے درآمدی سامان کا مقابلہ کر سکتے تھے۔ نتیجتاً ہندوستانی منڈیاں برطانوی اشیاء سے بھر گئیں اور مقامی پیداوار اپنی شناخت اور افادیت کھو بیٹھیں۔حافظ عبدالرحمٰن امرتسری نے اپنے سفر نامے "سیاحتِ ہند" میں اس منظر نامے کو نہایت وضاحت سے پیش کیا ہے اور دکھایا ہے کہ کس طرح سامراجی پالیسیوں نے ہندوستان کی مقامی صنعتوں کو تباہی کے دہانے پر پہنچا دیا۔

"ایک زمانے میں دیسی صنعت ع حرفت یہاں بہت ترقی پر تھی۔ امیر و غریب سب یہیں کی بنی ہوئی چیزیں استعمال کرتے تھے۔ مگر جب سے ولایتی مال آنا شروع ہوا اس کی ارزانی اور نفاست سے ملکی دستکاریاں ماند پڑ

گئیں۔ تصویر اور نقاشی کا کام جو لاہور میں بالخصوص عمدہ بنتا تھا عکسی کام کے سامنے اس کی قدر و منزلت نہ رہی۔

ملتان کے روغنی برتن جو بہت مشہور تھے۔ چینی برتنوں کے سامنے ان کی مانگ کم ہو گئی۔"(7)

مصنف اپنے سفر نامے میں اس امر پر روشنی ڈالتے ہیں کہ روایتی دستکاروں اور فنکاروں کو برطانوی پالیسیوں کے باعث شدید معاشی مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ مقامی صنعتوں کی تباہی نے نہ صرف معیشت کو متاثر کیا بلکہ ثقافتی ورثے کو بھی نقصان پہنچایا۔ وہ ہنر اور روایات جو صدیوں سے نسل در نسل منتقل ہوتی آئی تھیں، آہستہ آہستہ مٹنے لگیں کیونکہ مقامی صنعتیں برطانوی درآمدی اشیاء کے مقابلے میں اپنی بقا کی جنگ لڑنے پر مجبور ہو گئیں۔ غیر ملکی سامان کی بھرمار نے مقامی مصنوعات کو پس منظر میں دھکیل دیا، جس کے نتیجے میں ہندوستان کی دولت کا بڑا حصہ برطانیہ منتقل ہوتا رہا۔ یہ معاشی دباؤ مقامی تاجروں اور صنعتکاروں کے لیے مزید مشکلات کا باعث بنا۔ اگرچہ برطانوی حکومت نے بڑے پیمانے پر ریلوے، سڑکیں اور بندرگاہیں تعمیر کیں، مگر ان منصوبوں کا مقصد بھارتی معیشت کی ترقی نہیں بلکہ ہندوستانی وسائل کے استحصال اور اپنی انتظامی گرفت کو مضبوط کرنا تھا۔ برطانوی سامراجی پالیسیوں کے زیرِ اثر ہندوستان کی مقامی معیشت ایک منظم زوال کا شکار ہوئی۔ روایتی صنعتیں، جو صدیوں تک برصغیر کی پہچان اور معاشی ریڑھ کی ہڈی رہی تھیں، تیزی سے ختم ہونے لگیں۔ کپڑا بُننے والے کاریگر، دھات گری کے ماہرین اور ہاتھ کی بنی اشیاء تیار کرنے والے ہنرمند اپنی روزی کمانے کے مواقع کھوتے گئے کیونکہ ان کی مصنوعات برطانیہ سے درآمد کی جانے والی سستی اور بڑے پیمانے پر تیار شدہ اشیاء کے مقابلے میں ٹک نہیں پاتی تھیں۔ یہ صورتحال نہ صرف معاشی بدحالی کا باعث بنی بلکہ ثقافتی شناخت کو بھی گہن لگا۔ وہ دستکاریاں جو کبھی ہندوستانی تمدن کی شان ہوا کرتی تھیں، رفتہ رفتہ قصۂ ماضی بنتی گئیں۔ برطانوی حکمرانوں نے انفراسٹرکچر کی ترقی کو اپنی کامیابی قرار دیا، لیکن درحقیقت یہ منصوبے ہندوستان کے وسائل کی ترسیل اور انگریزوں کی سہولت کے لیے تھے۔ یوں مقامی عوام کے لیے یہ ترقی معاشی ابتری اور سماجی پسماندگی کے سوا کچھ نہ تھی۔ مصنف نے اپنے سفر نامے میں ان تمام حقائق کو بخوبی بیان کیا ہے۔ وہ اس حقیقت کو اجاگر کرتے ہیں کہ برطانوی حکومت نے اگرچہ ریلوے، سڑکیں اور دیگر انفراسٹرکچر تعمیر کیا، لیکن ان کا مقصد مقامی آبادی کی ترقی کے بجائے وسائل کے استحصال اور انتظامی سہولت کو ممکن بنانا تھا۔ مزید یہ کہ درآمدی سامان کی کثرت نے مقامی دستکاری اور صنعت کو شدید نقصان پہنچایا اور ہندوستان کا ثقافتی ورثہ بھی زوال پذیر ہوا۔ پس کہا جا سکتا ہے کہ "سیاحت ہند" نہ صرف ایک سفر نامہ ہے بلکہ برصغیر میں سامراجی اثرات پر ایک تحقیقی و تنقیدی دستاویز ہے، جو برطانوی نوآبادیاتی نظام کے سماجی، ثقافتی اور اقتصادی پہلوؤں کو واضح کرتی ہے۔

حوالہ جات

1- حافظ عبدالرحمن امرتسری، سیاحت ہند، مطبوعہ رفاہ عام اسٹیم پریس، لاہور، 1909، ص48
2- حافظ عبدالرحمن امرتسری، سیاحت ہند، ص48
3- حافظ عبدالرحمن امرتسری، سیاحت ہند، ص8
4- حافظ عبدالرحمن امرتسری، سیاحت ہند، ص193
5- حافظ عبدالرحمن امرتسری، سیاحت ہند، ص252
6- حافظ عبدالرحمن امرتسری، سیاحت ہند، ص11
7- حافظ عبدالرحمن امرتسری، سیاحت ہند، ص11